## حالاتِ حاضرہ

# وقت کا ایک اہم مسئلہ

از

(جناب اسرار احمد صاحب آزاد ایڈیٹر جد و جہد)

گذشتہ دو ماہ سے دنیا میں جو واقعات پیش آتے رہے ہیں اگرچہ ان میں سے اہلِ مراقش کی جد و جہدِ آزادی، اہلِ ٹیونس کی قومی تحریک کی ایک بڑی حد تک کامیابی، نہر سویز کے مسئلہ پر مصر اور برطانیہ کے حالیہ معاہدہ کا ردِ عمل اور مستقبل میں مصر اور امریکہ کے تعلقات کی نوعیت ہند چینی میں خاتمہ جنگ، فرانس کی جانب سے "یورپین ڈیفنس کمیونٹی" میں شرکت سے انکار "سیاٹو" کا قیام' ہندوستان میں انڈونیشیا کے وزیر اعظم، ڈاکٹر علی ستروامی جوجو کی آمد اور "قاہرہ سے منیلا تک علاقہ امن کو وسعت دینے کے لئے" ایشیا اور افریقہ کے ممالک کی ایک کانفرنس، منعقد کرنے کی تجویز اور پنڈت نہرو کا عزمِ سفرِ چین ایسے واقعات ہیں جنہیں بین اقوامی زاویۂ نظر سے اہم قرار دیا جا سکتا ہے لیکن ان واقعات کے ساتھ ساتھ خود ہمارے وطن ہندوستان میں بھی کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جو ملک کی ترقی اور تعمیر کے ہر خواہش مند کے لئے عموماً اور ہندوستانی مسلمانوں کے لئے خصوصاً دعوتِ فکر و نظر کی حیثیت رکھتے ہیں اور اسی لئے ہمیں بین اقوامی معاملات و مسائل کی بجائے ملک کے ان مسائل پر غور کرنا چاہیے جو براہِ راست ہماری زندگی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

یہ امر محتاجِ بیان نہیں کہ اگست کے صرف ستائیس دنوں میں یو۔پی اور حیدرآباد ایسی دو ریاستوں میں تیرہ فسادات برپا ہوئے ہیں اور اگر ان فسادات کی تباہ کاری کی تفاصیل کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو ستائیس دن کی مدت میں تیرہ فسادات کا برپا ہونا بجائے

خود ایک ایسا دل دوز اور روح فرسا واقعہ ہے جو دنیا کی ناقص ترین جمہوریت کے اربابِ بست و کشاد کے سروں کو بھی شرم اور ندامت سے جھکا دینے کے لئے کافی ہے اور جہاں تک جمہوریہ ہند کا تعلق ہے اس کے دامن پر تو یہ مسلسل فسادات ایک ایسے سیاہ داغ کی حیثیت رکھتے ہیں جنہیں آسانی کے ساتھ دھو ڈالنا ممکن نہیں ہو سکتا۔ ۱۹۴۷ء میں جو الم ناک واقعات پیش آئے تھے ان کی نوعیت کو کسی نہ کسی حد تک ہنگامی قرار دے کر انھیں نظر انداز کیا جا سکتا ہے لیکن حالیہ فسادات کے اسباب و عِلَل پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد ہی یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انھیں کسی وقتی تحریک یا مقامی حالات کا نتیجہ قرار دینا خود اپنی عقل و بصیرت کو فریب میں مبتلا کرنے کے مترادف ہوگا اور معاملہ کا یہی وہ پہلو ہے جس نے ان ہنگاموں کے مسئلہ کو زیادہ تاریک اور زیادہ قابلِ توجہ بنا دیا ہے۔

ہمیں اس حقیقت کے اعتراف سے مسرت محسوس ہونی چاہئے کہ تقسیم ہند کے بعد بھی ہندوستان میں جو کروڑوں مسلمان آباد ہیں اگرچہ ان کے قیام اور تحفظ میں ہندوستان کے دستور اور اس ملک کی حکومت کی خیر سگالانہ حکمت عملی کو بھی دخل ضرور حاصل ہے لیکن اس معاملہ میں ہم اکثریت کے ان فراخ دل، غیر متعصب اور نیک نہاد عناصر کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے جو ہندوستان کو اپنی ہی طرح مسلمانوں کا وطن بھی سمجھتے اور اس ملک میں ان کے مساوی شہری حقوق کو تسلیم کرتے ہیں اور میرا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ اگر اکثریت میں یہ حق پسند طبقہ موجود نہ ہوتا تو پھر اس ملک کا موجودہ دستور اور اس ملک کی موجودہ حکومت بھی مسلمانوں کو ہندوستان میں موجود اور مقیم رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر قدرتی طور پر یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ـــــ جمہوری ممالک کے کسی مسئلہ کو بھی محض حکومتیں حل نہیں کر سکتیں بلکہ یہ مسائل حکومت اور عوام کے اشتراکِ عمل ہی سے حل ہو سکتے ہیں اور ہندوستانی قوم میں ابھی ایسے افراد اور عناصر موجود ہیں جو ان مسائل کو حل کرانے میں نہ صرف مسلمانوں کی امداد ہی کرتے رہے ہیں ....

. . . . . بلکہ مستقبل میں بھی ان کی ہر ممکن امداد اور اعانت کرنے

پر آمادہ ہیں۔ — لیکن اس کے ساتھ ساتھ جمہوریت کا بنیادی تقاضہ یہ بھی ہے کہ جس طبقہ یا فرقہ کو اپنے حقوق غیر محفوظ نظر آئیں پہلے وہ خود ان کے تحفظ پر آمادہ اور کمربستہ ہو کیوں کہ مغرب کی ناقص جمہوریت ایسے معاملات میں بذاتِ خود اصلاحِ حالات کی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتی۔

ان سطور میں جہاں میں گذشتہ ہنگاموں کی تباہ کاریوں کے اعداد و شمار پیش کرنا نہیں چاہتا وہیں ان کے اسباب و علل پر بحث کرنا بھی بے کار سمجھتا ہوں لیکن ان باتوں کو نظر انداز کر دینے کے باوجود یہ شرمناک حقیقت اپنی جگہ قایم رہتی ہے کہ ہندوستان میں برابر فسادات ہوتے رہتے ہیں اور اگست میں برپا ہونے والے فسادات کے پیش نظر یہ شبہ بھی ہونے لگا ہے کہ اگر حکومت ان ہنگاموں کو نظر انداز نہیں بھی کرنا چاہتی تب بھی وہ ان کا سدباب کرنے سے قاصر ضرور ہے اور اس شبہ کے ساتھ ساتھ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ آج جب کہ ہندو مین کی عنانِ قیادت پنڈت جواہر لال ایسے کشادہ دل اور روشن دماغ رہنما کے ہاتھوں میں ہے اور ملک کی وزارتِ عظمیٰ اور کانگریس کی صدارت ایسے عظیم مناصب پر بھی وہ خود ہی فائز ہیں اگر ملک کا وہ بنیادی مسئلہ بھی طے نہیں ہو سکتا جسے طے کرنے کے لئے ملک کی تقسیم کی غیر دانشمندانہ تجویز کو قبول کیا گیا تھا تو پھر مسلمانوں اور اکثریت کے ان عناصر کو جو اس ملک میں رہنے والے مسلمانوں کو آبرومندانہ اور بے خوف زندگی بسر کرتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں دیانت داری اور سنجیدگی کے ساتھ اس بات پر غور کرنا پڑے گا کہ اس نیک مقصد کے حصول کے لئے انھیں کیا کرنا چاہیئے اور اس راہ میں پہلا قدم ان مسلمانوں ہی کو اٹھانا پڑے گا جن کا دامن تعصب اور تنگ نظری کے داغوں سے پاک رہا ہے اور جو ہر حال میں ہندوستان کو اپنا وطن سمجھتے رہے ہیں۔

اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ سوال صرف فسادات سے نجات حاصل کرنے ہی کا نہیں بلکہ مستقبل میں آبرومندانہ زندگی بسر کرنے کا ہے۔ کیوں کہ گذشتہ سات سال کے حالات نے اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ اس ملک کا شہری اور دستورِ ہند کی رو سے مساوی شہری، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی حقوق کا مستحق ہونے کے باوجود ہندوستانی مسلمان پر

آبرو مندانہ زندگی بسر کرنے کی راہیں مسدود ہی ہوتی چلی جارہی ہیں اور اگر اس نے خود ان راہوں کو کشادہ کرنے کی کوشش نہ کی اور اپنے اہلِ وطن کے بالغ نظر عناصر کو اس کام میں اپنے ساتھ تعاون اور اشتراکِ عمل کرنے کی دعوت نہ دی تو رفتہ رفتہ اس پر زندگی کے تمام دروازے بند ہو جائیں گے۔ پھر یہاں اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کر دینا چاہیئے کہ قوموں کے مسائل جذبات کے سخت اور جذباتی ماحول میں حل نہیں ہوا کرتے اور انھیں حل کرنے کے لئے صبر، استقلال اور تدبر و اعتدالِ ذہن درکار ہوتا ہے اور اگرچہ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ترقی یافتہ ترین عوام بھی حالات کو جذبات کی نظر سے دیکھنے سے محفوظ نہیں رہتے لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ تسلیم شدہ ہے کہ اگر کسی نازک موقع پر ان کے دیانت دار رہنما بروقت کوئی قدم اُٹھا لیں اور عوام پر اپنے اقدام اور ان کے زاویۂ نظر کے حُسن و قُبح کے فرق کو واضح کرنے کی کوشش کریں تو عوام کا زاویہ نگاہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھنا چاہیئے کہ عوام میں موقع پرست، غیر ذمہ دار اور غرضمند افراد کی مقبولیت اور کامیابی کا راز یہ ہے کہ ان کے حقیقی رہنما بظاہر بروقت کوئی قدم نہیں اُٹھاتے اور خواہ ان کی یہ خاموشی، دور اندیشی، بہی خواہی اور خیر سگالی ہی پر مبنی کیوں نہ ہو لیکن عوام اسے ان کی بے حسی، عافیت کوشی، خود غرضی، بے عملی اور قوم یا فرقہ کے ساتھ بے تعلقی پر محمول کرتے ہیں اور غرض مند عناصر ان کے ان شکوک کو یقین کی صورت میں بدل دینے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح ایک ایسی صورت حالات پیدا ہو جاتی ہے جس میں حقیقی مسئلہ کا حل ہونا تو درکنار اس میں مزید پیچیدگیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں اور عوام ہر نئی پیچیدگی اور ناکامی کی ذمہ داری اپنے حقیقی اور مخلص رہنماؤں پر عاید کرتے جاتے ہیں۔

بہر حال موجودہ حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ مسلمانوں کے مخلص رہنما، تقسیم ہند کے بعد پہلی مرتبہ جمع ہو کر مسلمانوں کے تمام مسائل پر غور کریں اپنے ذہن و فکر کی تمام تر صلاحیتوں کو اس بات کے سمجھنے اور سمجھانے پر مرکوز کر دیں کہ ملک کی سیاست، حکومت، اقتصادیات اور معاشرے کے ساتھ مسلمانوں کا کیا تعلق رہنا چاہیئے ان پر ملک کی جانب سے کیا فرائض عائد ہوتے ہیں اور ان فرائض کی ادائیگی کے لئے خود ملک میں ان کی حیثیت کیا ہونی چاہیئے۔ پھر اسی اجتماع میں اس معاملہ پر بھی ایک مختتم رائے قائم کر لی جانی چاہیئے کہ موجودہ حالات میں مستقبل کو تابناک اور محفوظ بنانے کے لئے ہندوستانی مسلمانوں کو اپنی

کن کن خصوصیات اور روایات کو ترک اور فراموش کر دینا چاہئے اور کن کن خصوصیات اور روایات کے تحفظ اور بقا کے لئے جدوجہد کرنا اور اس ملک کے غیر مسلم عناصر کو اپنے ساتھ تعاون اور اشتراکِ عمل کی دعوت دینا چاہئے۔ بہرحال اس اجتماع میں جو مسائل زیر بحث آسکتے ہیں یا جن مسائل کو زیر بحث آنا چاہئے یہاں ان کی تشریح اور تفصیل کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور یہ کام اسی حال میں مفید اور مناسب ثابت ہوسکتا ہے جب کسی ایسے اجتماع کے انعقاد کا فیصلہ کر لیا جائے۔

حالیہ فسادات کے پیشِ نظر بعض افراد اور حلقوں کی جانب سے اس خیال کا اظہار بھی کیا گیا ہے کہ پارلیمنٹ اور ریاستی مجالس قانون ساز کے مسلم اراکین کو بطور احتجاج ان اداروں کی رکنیت سے مستعفی ہو جانا چاہئے۔ اس تجویز میں عوام کے لئے جو کشش موجود ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ لیکن اس تجویز کی دل کشی کے باوجود عوام بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ احتجاج کا مرحلہ اس وقت پیش آتا ہے جب بے افہام و تفہیم کی راہیں بند ہو جاتی ہیں اور قومی مسائل کو حل کرنے کے لئے اس قسم کا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے حصولِ مقصد تک جدوجہد کو جاری رکھنے کے لئے کسی لائحہ عمل کا پیشِ نظر ہونا ضروری ہوتا ہے محض احتجاج سے قومی مسائل کو حل نہیں کیا جا سکتا اور بحالت موجودہ یہ تجویز نہ صرف ناقابلِ عمل ہی نہیں بلکہ اس سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ بھی نہیں نکل سکتا پھر چونکہ ہم ماضی میں عنوانات کی اسی طرح کی دل فریبیوں سے بہت کچھ ٹھوکریں کھا چکے ہیں اس لئے اب ہمیں زیادہ سے زیادہ محتاط اور ہوشمند رہنے کی ضرورت ہے۔

بہرحال ملک کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر اور خود ملک کی فلاح و بہبود کے لئے مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کی غرض سے جلد از جلد کوئی موثر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے لیکن یہ قدم جذبات کے ماتحت نہیں اٹھایا جانا چاہئے اور اگر اسے مسلمانوں کے ایک ایسے اجتماع کی صورت میں اٹھایا جائے جسے آئندہ چل کر اس ملک کے جمہوریت پسند غیر مسلم عناصر کی حمایت، تائید اور اعانت بھی حاصل ہو سکے تو یہ امر ہماری جدوجہد کی کامیابی کا ضامن ثابت ہوگا [ان سطور کے لکھے جانے کے بعد، میری نظر سے ہندو مہاسبھا کے وزیر داخلہ ڈاکٹر کاٹجو کا وہ مقالہ گذرا جو موصوف نے اس ملک میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے تعلقات کو مستقل طور پر خوشگوار بنانے کے لئے قلمبند فرمایا ہے اور چونکہ برہان کی اس اشاعت میں اس مقالہ کا تجزیہ ممکن نہیں ہو سکتا اس لئے اسی قدر لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ اس مقالہ کی اشاعت کے بعد مسلمانوں کے ایک اجتماع کے انعقاد کی ضرورت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور اب اس مسئلہ پر غور نہ کرنا وقت کے ایک اہم تقاضہ کو نظر انداز کر دینے کے مترادف ہوگا۔